یونیفارم سول کوڈ

حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ

شائع کردہ:

مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
76 A/1, Main Market, Okhla Village
Jamia Nagar, New Delhi - 110025
Ph: +91-11-26322991, 26314784
E-mail: aimplboard@gmail.com

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	یونیفارم سول کوڈ
مصنف	:	حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ
طابع وناشر	:	آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
تعدادِ اشاعت	:	پانچ ہزار
کمپوزنگ	:	مرکزی دفتر بورڈ (فیضان احمد ندوی)
پروف ریڈنگ	:	وقار الدین لطیفی
قیمت	:	۲۰/روپے

ناشر

مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ - دہلی

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

۱	یونیفارم سول کوڈ	۵
۲	یونیفارم سول کوڈ کا معاملہ	۶
۳	قانونی پس منظر	۹
۴	تاریخی پس منظر	۱۱
۵	یونیفارم سول کوڈ کی حمایت کے اسباب	۱۴
۶	یونیفارم سول کوڈ کے حامیوں کے دلائل	۱۶
۷	یونیفارم سول کوڈ کی مخالفت کے اسباب	۱۸
۸	یونیفارم سول کوڈ کے حامیوں کے دلائل کا تجزیہ	۱۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یونیفارم سول کوڈ

ہندوستان مختلف تہذیبوں اور متعدد مذاہب کے ماننے والوں کا ملک ہے، اور برابر یہاں کی خمیر میں ''مذہب'' شامل رہا ہے۔مختلف مذاہب کے ماننے والے اس ملک میں اپنے مذہب پر پوری آزادی کے ساتھ عمل کرتے رہے ہیں، ماضی بعید میں جب مسلمانوں کے قافلہ نے اس سرزمین پر قدم رکھا اور ہندوستان کے مغربی ساحل پر اپنے خیمے نصب کئے، اس وقت کی تاریخ بتاتی ہے کہ متعدد مذہب کے ماننے والوں سے آباد یہ ملک مذہبی اعتبار سے آزاد تھا، اور مذہب وتہذیب سے وابستہ احکام وروایات پر حکومت کی طرف سے کوئی پابندی نہ تھی، تہذیبی رنگا رنگی اور مختلف مذہب کو ماننا اور اس پر عمل کرنا ان کی سماجی زندگی میں بے ربطی اور انتشار کا ذریعہ کبھی نہیں بنا۔مسلمان جو ایک مستقل دین اور مکمل تہذیب کے ساتھ نہ صرف عبادتوں بلکہ شخصی معاملات میں بھی قانونی طور پر آزاد رہے، اور ابتدائی عہد کی تاریخ بتاتی ہے کہ جہاں ہندو معاملات ومسائل کے حل کے لئے ''برہمن'' متعین کئے جاتے تھے، مسلمانوں کے معاملات مسلم قاضیوں کے ذریعہ طے پاتے تھے۔جنہیں اس وقت کی اصطلاح میں ''ہنرمند'' کہا جاتا تھا۔

ہندوستان میں ایک عرصہ تک مسلم حکومت قائم رہی۔اس زمانہ میں بھی مسلم

آبادی کے لئے ان کی عبادتوں کا نظام اور شخصی قوانین بحال رکھے گئے، اور مختلف مذہب کے ماننے والوں کے معاملات ان کے مذہب کے مطابق طے کئے جاتے رہے— مسلم عہد کے ختم ہونے کے بعد انگریزوں کے عہد میں بھی شخصی قوانین بحال رہے اور انگریزوں نے موجودہ صدی کے نصف اول میں تدریجاً اسلام کے شخصی قوانین کو دستور میں جگہ دی، جسے ''مسلم پرسنل لا'' کہا گیا، یہ دستور سازی دراصل اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ مسلمان ان قوانین (جن کا تعلق شخصی اور عائلی زندگی سے ہے) سے دست بردار نہیں ہو سکتے، اور ایک ذمہ دار حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ ان قوانین کی اہمیت محسوس کرے، اور انہیں قانونی تحفظ دے۔

جب ہندوستان آزاد ہوا، اور ملک کا نیا دستور بنا تو اس میں بھی ''مسلم پرسنل لا'' کی قانونی حیثیت تسلیم کی گئی، اور طویل ترین ماضی کی روایات اور عوامی رجحان جس کی بنیاد مذہب پر ہے، کا احترام کیا گیا اور قانون سازوں نے صاف طور پر دستور ساز اسمبلی میں اعلان کیا کہ ''مسلم پرسنل لا'' میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائے گی۔

یونیفارم سول کوڈ کا معاملہ

اب اس ملک میں مسلم پرسنل لا کو ختم کر کے ''یونیفارم سول کوڈ'' کی بات کی جاتی ہے۔ ''یونیفارم سول کوڈ''— یا— ''یکساں شہری قانون'' سے مراد وہ قوانین ہو اکرتے ہیں جو کسی بھی مخصوص خطہ زمین پر آباد لوگوں کی سماجی اور عائلی زندگی کے لئے بنائے گئے ہوں، ان قوانین کے تحت ہر فرد کی شخصی اور خاندانی زندگی کے معاملات آتے

ہیں اور نکاح و طلاق، فسخ و ہبہ، وصیت و وراثت اور تبنیت جیسے امور انہیں قوانین کے ذریعہ حل کئے جاتے ہیں، ان قوانین کے نفاذ میں کسی شخص کے مذہب اس کی تہذیب اور رسم و رواج کا خیال نہیں کیا جاتا، ان چیزوں سے بالکل الگ ہوکر ہر مذہب کے ماننے والے کے لئے ایک قانون ''یونیفارم سول کوڈ'' ہے۔ اور اسی قانون کے تحت نکاح اور طلاق جیسے امور بھی انجام پاتے ہیں، یعنی سول کوڈ کے ذیل میں وہ سارے امور آجاتے ہیں جن کا تعلق پرسنل لا سے ہوتا ہے۔

ہندوستان میں ''یونیفارم سول کوڈ'' کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کو اپنی مذہبی ہدایات کے خلاف نکاح و طلاق جیسے معاملات انجام دینا ہوں گے، وصیت اور وراثت کے معاملہ میں بھی انہیں مذہبی قانون کے بجائے دوسرے قوانین پر عمل کرنا ہوگا، اسی طرح دوسرے مذہب اور رسم و رواج کے پابند لوگوں کو بھی اپنا مذہب چھوڑنا ہوگا، اپنے رواج کو مٹانا ہوگا اور نئے قانون کا پابند ہونا پڑے گا۔ اس طرح ''یونیفارم سول کوڈ'' واضح طور پر ''مسلم پرسنل لا'' سے مختلف ایک قانون ہے۔ جس کے نفاذ کے بعد ''مسلم پرسنل لا'' کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی[1]۔ گویا ''مسلم پرسنل لا'' جس کی بنیاد قرآن وسنت ہے، اور یونیفارم سول کوڈ کو یکجا نہیں کیا جاسکتا، اس

(۱) یہاں مجھے اس امکان سے بحث نہیں ہے کہ اگر ''مسلم پرسنل لا'' ہی کو ''یونیفارم سول کوڈ'' قرار دیا جائے، اور اسلام کے قوانین شخصی کو ملک کے تمام باشندوں پر نافذ کردیا جائے تو ''یونیفارم سول کوڈ'' کے باوجود مسلم پرسنل لا پورے طور پر باقی رہ جائے گا۔ یہ صرف ایک منطقی امکان ہے۔ جس کے وجود کا شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا، اس طریقہ کار سے دوسرے مذہب کے ماننے والوں کے جذبات مجروح ہوں گے، ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ ہندوستان یا کسی ملک کے غیر مسلم شہریوں کی مذہبی آزادی کو ختم کیا جائے اور ان کے شخصی قوانین کو مٹا کر ان پر اسلامی قانون نافذ کیا جائے۔

حقیقت کی وضاحت مسٹر گجندر گڈکر (چیر مین لاکمیشن، حکومت ہند) نے اپنی ایک تقریر میں ان الفاظ میں کی:

''مسلم برادری کے لئے سیکولرزم کا اعلان ہے کہ تعداد ازدواج کو ختم کرنے اور یکساں سول کوڈ کے مسئلہ پر صرف سماجی بنیادوں پر غور ہوگا، قرآن کے حوالہ سے نہیں۔''(۱)

مسلم برادری کے لئے سیکولرزم کے اس اعلان کی وجہ ان کے ذہن میں یہ ہوسکتی ہے کہ جب تک قرآن اور مذہب سے پورے طور پر دامن کو بچا نہ لیا جائے سیکولر اسٹیٹ کا خاکہ پورا نہیں ہوسکتا، جیسا کہ ایک دانشور کی رائے ہے۔ ''اگر کوئی ریاست اپنے تمام شہریوں کے لئے یکساں معاشرتی قانون نہیں بناتی تو پھر ایسی ''ریاست'' اپنے آپ کو سیکولر ریاست کہنے کا حق بھی نہیں رکھتی۔''(۲)

یا وہ بھی اس نتیجہ تک پہنچے ہوں کہ ''کسی مذہب کا صحیفہ، خواہ اسے خدا نے وحی کے ذریعہ انسانوں تک بھیجا ہو، یا وہ کسی رشی منی کے کانوں میں گونجا ہو، زندگی کے کسی بھی میدان میں قطعیت کا درجہ نہیں رکھ سکتا۔''(۳) وجہ جو بھی ہو مگر ایک مشہور قانون داں اور حکومت کے ذمہ دار کا نقطۂ نظر یہی ہے کہ ''یکساں سول کوڈ'' کے مسئلہ پر قرآن کے حوالہ سے گفتگو نہیں کی جاسکتی، جب کہ مسلم پرسنل لا کی بنیاد قرآن اور سنت ہی ہے۔

---

(۱) قومی آواز، 16/12/1970

(۲) مسٹر ایم، آر، اے بیگ ان ڈیفرنٹ سیڈس ص ۱۶۹

(۳) اے، بی شاہ، چیلنجز ٹو سیکولرزم ص 34

لیکن دستور ہند کے وضع کرنے والوں کا کمال ہے کہ ایک طرف انہوں نے ''مسلم پرسنل لا'' کو قانونی تحفظ دے دیا۔ اور دوسری طرف ''یونیفارم سول کوڈ'' کے نفاذ کی ہدایت بھی دیتے گئے، اور ایسی ترکیب نکالی جس سے وقتی طور پر باغباں خوش اور صیاد راضی رہ سکے۔

قانونی پس منظر

اس دہری پالیسی، جسے دستور کے وضع کرنے والوں نے اپنایا تھا، کے ساتھ ہندوستان میں یکساں شہری قانون کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ مناسب ہے کہ پہلے دستور کے اس حصہ کا جائزہ لے لیا جائے، جس کا تعلق ''یونیفارم سول کوڈ'' سے ہے، دستور کے رہنما اصول Directive Principle کی دفعہ 44 میں کہا گیا ہے:

"The State shall endeavour to secure for citizens a uniform civil code throughout the territory of India."

(ریاست کوشش کرے گی کہ پورے ملک میں شہریوں کے لئے یکساں شہری قانون ہو)

پارلیمنٹ میں دفعہ 44 کی خواندگی ہوئی، تو اس پر طویل بحث کی گئی، مسلم ارکان پارلیمنٹ نے اس دفعہ میں اضافہ یا ترمیم کا مطالبہ کیا اور متعدد ترمیمیں پیش

کیں، (۱) مگر ان میں سے کسی کو قبول نہیں کیا گیا، ترمیم کا مطالبہ کرنے والوں کو ڈاکٹر امبیڈکر نے یہ کہہ کر مطمئن کرنے کی کوشش کی:

''یہ محض حکومت کو اختیار دیا جا رہا ہے، جس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مذہبی شخصی قوانین کو ختم کر دینا ضروری ہوگا، خواہ ملک کے مسلمان، عیسائی یا کوئی اور فرقہ اس سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ کرے کسی کو یہ خطرہ نہیں ہونا چاہئیے کہ صرف اختیار کے مل جانے کی وجہ سے حکومت اس پر عمل کے لئے اصرار کرے گی۔

حکومت کے اختیار عملاً ہمیشہ محدود ہوا کرتے ہیں۔ خواہ لفظی طور پر آپ انہیں کتنا ہی لامحدود کر دیں۔ کیونکہ حکومت اپنے اختیارات کا استعمال اس طرح نہیں کر سکتی، جس کے نتیجہ میں مسلمان بغاوت پر آمادہ ہو جائیں۔ اگر کسی وقت حکومت ایسا کرنے کی سوچے تو اسے فاتر العقل کہنا چاہئیے۔''

اس طرح ''دستور'' میں دی گئی ''وسعت'' کو یقین دہانی کے ذریعہ ''سمیٹنے'' کی کوشش کی گئی، یہ کوشش کہاں تک کامیاب ہوئی ہوگی اس کا اندازہ مذکورہ بیان کی قوت

---

(۱) یہ ترمیمیں جناب محمد اسماعیل صاحب، جناب بی پوکر صاحب، جناب نظیر الدین احمد صاحب، جناب محبوب علی بیگ صاحب نے پیش کی تھیں، ان تمام تجویزوں کا ماحصل یہ تھا کہ اس دفعہ سے پرسنل لا علیحدہ رکھا جائے۔ مثلاً جناب محبوب علی صاحب کی ترمیم یہ تھی:

"Provided that nothing in the article shall effect Personal Law of the citizens."

(Directive Principles in the Indian Constitution. page193.)

سے ہی لگایا جا سکتا ہے، لیکن پارلیمنٹ کی اکثریت نے دفعہ 44 کو قبول کرلیا، اس طرح ''یونیفارم سول کوڈ'' کے نفاذ کا بیج بو دیا گیا۔

تاریخی پس منظر

''یونیفارم سول کوڈ'' کے قانونی پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے، تاریخی حالات کا بھی جائزہ لینا مناسب رہے گا، تاکہ اندازہ ہو جائے کہ دستور کے نفاذ کے بعد سے اب تک ''یونیفارم سول کوڈ'' کے سلسلہ میں قانون سازی کے ذمہ داروں اور حکومت کا کیا انداز فکر رہا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ نیم سرکاری یا غیر سرکاری سطح سے مختلف قسم کے اجتماعات کے ذریعہ ''یونیفارم سول کوڈ'' کی راہ ہموار کی جاتی رہی ہے۔ اعتدال پسند اور انتہا پسند قسم کے چھوٹے چھوٹے گروپ بھی تیار ہو چکے ہیں، جو براہ راست یا بالواسطہ یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ کی جد و جہد کر رہے ہیں، ایسی انجمنیں بھی بن چکی ہیں جن کا بنیادی موضوع یہی مسئلہ ہے، ایسے افراد، گروپس اور انجمنیں، خواہ انہیں مسلم عوام اور قرآن وسنت سے واقف حضرات کا تعاون حاصل نہ ہو، اور ان کی آواز مسلم معاشرہ سے بالکل الگ —ایک آواز ہو(۱) مگر یہ قوتیں اپنی سطح پر کام کر رہی ہیں، اور انہیں یہ کہتے ہوئے ذرا

---

(۱) حقیقت یہ ہے کہ ایسی آوازیں نہ صرف مسلم معاشرہ سے بالکل علیحدہ ہیں بلکہ براہ راست قرآن اور حدیث کی تعلیمات سے بھی واضح طور پر مختلف ہیں، اس طبقہ میں ایک مشہور نام حمید دلوائی صاحب کا ہے، جنہوں نے اپنی وصیت میں وہ باتیں لکھیں جو صراحۃً اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں انہوں نے وصیت نامہ میں یہ بھی لکھا تھا کہ مرنے کے بعد انہیں مسلمانوں کے طریقہ پر دفن نہ کیا جائے۔ اس انداز فکر سے ان کی اسلام کے ساتھ وفاداری کا پتہ چلتا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ ایسے حضرات مسلمانوں میں کس طرز کی اصلاح چاہتے ہیں۔

ہچکچاہٹ نہیں ہوتی کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ ہمارے ساتھ ہے، خود حکومت کے ذمہ داروں کا ذہن بھی ''یونیفارم سول کوڈ'' کے ساتھ ہے، اور مختلف موقعوں پر ان حضرات کی طرف سے ''یونیفارم سول کوڈ'' کے نفاذ کے ارادوں کا اظہار ہوا ہے، مثلاً جب ہندو پرسنل لا کو نئی شکل دی جا رہی تھی تو اس وقت کے مرکزی وزیر قانون مسٹر پاٹسکر نے کہا تھا۔ ''ہم نے آئین کے نفاذ (26 رجنوری 1950ء) کے بعد اسپیشل میرج ایکٹ ہندو میرج ایکٹ پاس کئے ہیں، اب ہندو قانون وراثت کا مسودہ پارلیمنٹ میں زیر غور ہے یہ سب ضابطۂ دیوانی کو یکساں بنانے کے اقدامات ہیں۔'' (۱)

ضابطۂ دیوانی کو یکساں بنانے کے اقدامات کے سلسلہ میں سب سے پہلے ہندوؤں کا نمبر کیوں آیا؟ پورے ملک میں ''یونیفارم سول کوڈ'' کس طرح نافذ کیا جائے گا؟ اس کا جواب انہوں نے ایک پریس کانفرنس میں یوں دیا:

''ہندو قوانین میں جو اصلاحات کی جا رہی ہیں وہ مستقبل قریب میں ہندوستان کی تمام آبادی پر نافذ کی جائیں گی اگر ہم ایسا قانون بنانے میں کامیاب ہو گئے جو ہماری پچاسی فی صد آبادی کے لئے ہو تو باقی آبادی پر اسے نافذ کرنا مشکل نہ ہوگا۔ اس قانون سے پورے ملک میں یکسانیت پیدا ہوگی۔''

مسٹر پاٹسکر کا یہ بیان ایک سوچی سمجھی پالیسی کا اعلان ہے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ پالیسی اب تک عملی شکل میں سامنے نہیں لائی گئی ہے، مگر ذہنی پالیسی کے نقوش کبھی مدھم نہیں ہوئے۔ اور وقتاً فوقتاً یہ اندازہ لگایا جاتا رہا ہے کہ ملک کی پچاسی فیصد کے علاوہ آبادی کا

---

(۱) ۲۵ اگست ۱۹۵۵ء کی ریڈیائی تقریر

ذہن اس پالیسی کو برداشت کرسکتا ہے یا نہیں؟

۱۹۶۳ء میں حکومت نے ایک کمیشن مقرر کرنا چاہا تھا، جس کا مقصد مسلم پرسنل لا میں تبدیلی پر غور وفکر اور اس کے لئے عملی راہوں کی تلاش تھا، مسلمانوں کی ہمہ گیر مخالفت کے نتیجہ میں یہ کمیشن مقرر نہیں کیا گیا۔ اور وزیر قانون نے پارلیمنٹ میں یہ کہہ کر بحث ختم کردی کہ حکومت اس وقت (مسلم پرسنل لا) میں کوئی ترمیم کرنا مناسب نہیں سمجھتی (۱) یہ جملہ خود بتا رہا ہے کہ مسئلہ ختم نہیں ہوا، نہ پالیسی میں فرق آیا، حالات سازگار نہیں ہیں، اس لئے اس پالیسی پر عمل نہیں ہوگا— ۱۹۷۲ء میں مرکزی وزیر قانون مسٹر گوکھلے نے پھر اس پالیسی کا اعادہ کیا انہوں نے Adoption of Children Bill 1972 (متبنّٰی بل) کو پیش کرتے ہوئے پارلیمنٹ میں کہا۔ ''یہ مسودہ قانون ''یونیفارم سول کوڈ'' کی طرف ایک مضبوط قدم ہے۔''(۲)

مختلف وزراء قانون کے بیانات حکومت کی پالیسی کی نشاندہی کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ حکومت ''یونیفارم سول کوڈ'' کے سلسلہ میں دستور کے ''رہنما اصول'' کا پورا فائدہ اٹھانا چاہتی ہے، اور حکومت کی خواہش ہے کہ یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ کے لئے ہر فرقہ وطبقہ کا ذہن تیار ہونا چاہئیے، لیکن اس کے ساتھ ہی حکومت کے اندر اور حکومت کے باہر کچھ ایسے حضرات بھی موجود ہیں جن کا ذہن رائے عامہ کے احترام سے خالی ہے اور جو قوت کے سہارے ''یونیفارم سول کوڈ'' کو نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے حضرات یہ سمجھتے

---

(۱) ۲۲ اگست ۱۹۶۳ء کو راجیہ سبھا میں وزیر قانون کی تقریر۔

(۲) اللہ کا فضل ہے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا کی منظّم جد وجہد اور مسلمانان ہند کے مؤثر اجتماع کے نتیجہ میں حکومت نے متبنی بل واپس لے لیا۔

ہیں کہ ''اگر پارلیمنٹ کے سیکولر ممبران کی مدد سے حکومت ایک مشترکہ عائلی قانون نافذ کر دیتی ہے تو مسلمان کچھ دنوں تک مخالفت کریں گے، لیکن اس کی وجہ سے آسمان نہیں پھٹ پڑے گا'' (۱) اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں گجندر گڈکر (چیرمین لا کمیشن) نہ یہ بات دہرائی:

> ''مسلمانوں کو یونیفارم سول کوڈ کو قبول کرنے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کر لینا چاہیئے اگر انہوں نے خوش دلی کے ساتھ یہ تجویز منظور نہیں کی تو قوت کے ذریعہ یہ قانون نافذ کیا جائے گا۔'' (۲)

یونیفارم سول کوڈ کی حمایت کے اسباب

مذکورہ تفصیل ہمیں بتاتی ہے کہ حکومت برابر ''یونیفارم سول کوڈ'' کے نفاذ کی خواہش مند رہی ہے (۳) اور ایک عرصہ سے ملک کا ایک طبقہ — جس میں بڑی تعداد ہندوؤں کی ہے اور کچھ مسلمانوں کی۔ اسے نافذ کرنے کے لئے ذہن سازی کی پوری کوشش کر رہا ہے۔ کچھ لوگ انتہا پسندوں کی شکل میں قوت کے سہارے ''یونیفارم سول کوڈ'' کے نفاذ کا مشورہ دیتے ہیں، کچھ لوگ اصلاح کے نام پر اس کی راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں، اور بعض حضرات ناصح مشفق بن کر حالات کے تقاضوں کی رعایت کی سفارش کرتے ہیں، لیکن یہ سارے طبقے جو مختلف قسم کے مشورے دے رہے ہیں ایک ہی

---

(۱) اے، بی، شاہ، ٹائمز آف انڈیا نئی دلی، ۱۳/جولائی ۱۹۶۹ء۔

(۲) مارچ ۱۹۷۳ء میں بنگلور میں یونیفارم سول کوڈ کے موضوع پر تقریر۔

(۳) ملاحظہ فرمائیں ''مسلم پرسنل لا کا مسئلہ- نئے مرحلہ میں۔''

منزل کے راہی ہیں، ہر ایک کی تجویزیں الگ ہیں، ان کے لب ولہجہ میں فرق ہے۔ ان کے دلائل مختلف ہیں، لیکن گہرا جائزہ یہی بتلاتا ہے کہ ان سب کا مقصد ایک ہے، اور دیر یا سویر یہ سب ایک ہی جگہ پہنچ جائیں گے۔ (۱)

منزل کے اس اتحاد کی وجہ یہ ہے کہ اس ذہن کے لوگ مغربی افکار وخیالات کے اسیر ہیں، ان کی تعلیم وتربیت مغربی طرز کی ہے، وہ مغربی معاشرہ سے ذہنی اور عملی تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے مغربی قوانین کو پڑھا اور سمجھا ہے، اس لئے ہندوستانی دستور کے فریم میں انہیں مسلم پرسنل لا جیسی چیز اجنبی لگتی ہے۔ وہ شریعت کو زائد ضرورت سمجھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ شریعت فرد کا ایک پرائیوٹ معاملہ تو ہوسکتا ہے، قانون نہیں بن سکتا ہے۔ مغربی انداز فکر کی وجہ سے ان کے نزدیک مشرق کی روایتیں بھی قابل احترام نہیں ہیں، اور نہ مشرقی مزاج وانداز انہیں بھاتا ہے۔ ان کے نزدیک کسی چیز کو پرکھنے کے لئے صرف اساتذۂ مغرب کی دی ہوئی کسوٹی ہے — مغرب سے الگ ہوکر ان کے سامنے نہ کوئی دعوت ہے نہ پیغام، نہ طرز فکر ہے، نہ راہ عمل، ''مغرب'' نے یونیفارم سول کوڈ، کی تعلیم دی ہے۔ وہاں مذہب کے نام پر جو کچھ ہے وہ صرف زندگی کا پرائیوٹ معاملہ ہے، وہاں مذہب کا دائرہ عبادات اور رسول تک محدود ہے۔ اس لئے ایسے حضرات ''یونیفارم سول کوڈ'' کے سوا کسی اور چیز کو مشکل ہی سے سوچ سکتے ہیں۔

یونیفارم سول کوڈ کی حمایت کا دوسرا اہم سبب وہ قوانین ہیں جنہیں پارلیمینٹ نے

---

(۱) مثلاً پروفیسر آصف فیضی صاحب اعتدال پسند اور عائلی مسائل کے بہت بڑے اسکالر کہے جاتے ہیں، موصوف کی اعتدال پسندی کا مطلب شاید یہ ہے کہ قرآن مجید کو مقدس آسمانی صحیفہ تصور کرتے ہیں مگر وہ بھی مسلمانوں کے عائلی مسائل پر غور کرتے ہوئے قرآن کا پابند رہنا ضروری نہیں سمجھتے، ایک موقع پر فرماتے ہیں ''مقدس قرآن بحث وتمحیص سے بالاتر آسمانی صحیفہ ہے، لیکن اس میں کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جنہیں بدل ڈالنے کی ضرورت ہے، جیسے تعدد ازدواج، پردہ، طلاق''۔ (اسٹیٹمینٹ ۱۱/اگست ۱۹۷۰ء)

۱۹۵۴ء اور ۱۹۵۶ء کے درمیان منظور کیا ہے، جس کے نتیجے میں ''ہندو پرسنل لا'' کی ایک خاص شکل ابھری، یہ شکل ہندو مت تصورات سے بالکل الگ ہے، اسی وجہ سے خاصے تعلیم یافتہ ہندوؤں نے ان قوانین کی سخت مخالفت کی تھی، اور یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ اس وقت کے صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد نے بہت چیں بچیں ہوکر ان قوانین پر مہر تصدیق ثبت کی تھی — ہندو پرسنل لا، کی منسوخی کے وقت ہی یہ ذہن بننے لگا تھا کہ ''مسلم پرسنل لا'' کو بھی منسوخ ہونا چاہئے، اور جس طرح ہندوؤں کے لئے مغرب سے برآمد کردہ پرسنل لا نافذ کیا جا رہا ہے اسی طرح کا پرسنل لا ہر ہندوستانی کے لئے نافذ ہونا چاہیئے۔ مذکورہ بالا قوانین جب پارلیمینٹ میں پیش ہوئے تھے تو مشہور لیڈر راجاریہ کرپلانی نے بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا تھا کہ ''اگر ہندوستان ایک جمہوری ریاست ہے تو پھر میری یہ گزارش ہوگی کہ صرف ایک فرقہ کے لئے قانون نہ بنایا جائے، کیا ہماری گورنمنٹ مسلمانوں کے لئے بھی یک زوجگی کا قانون پاس کرے گی''۔ (۱)

یونیفارم سول کوڈ کے حامیوں کے دلائل

یونیفارم سول کوڈ کی حمایت میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں، ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں جو ''مسلم پرسنل لا'' کی بعض دفعات سے متعلق ہیں، اور کچھ دلائل براہ راست ''یونیفارم سول کوڈ'' سے متعلق ہیں، یہاں ہمیں ان دلائل سے بحث نہیں ہے جن کی بنیاد ''مسلم پرسنل لا'' کی کوئی دفعہ ہے۔ کیوں کہ وہ جزوی چیزیں ہیں (۲) جنہیں سامنے رکھ کر کسی اصول کا طے کرنا غلط ہے، یہاں ہمیں ان دلائل کا خلاصہ پیش کرنا ہے۔ جو براہ راست ''یونیفارم سول کوڈ'' سے تعلق

(۱) اچاریہ کرپلانی کی یہ تقریر بتلاتی ہے کہ بہت سے پڑھے لکھے ہندو بھائی صرف اس ناراضگی کی وجہ سے مسلم پرسنل لا کی مخالفت کرتے ہیں کہ ہندو پرسنل لا ختم کر دیا گیا ہے۔

(۲) اس سلسلہ میں ملاحظہ فرمائیے ''مسلم پرسنل لا۔ بحث ونظر کے چند گوشے''

رکھتے ہیں،ان دلائل کے تجزیہ سے بنیادی طور پر چار چیزیں سامنے آتی ہیں۔

(۱) آئینی زاویۂ نگاہ سے یہ چیز پیش کی جاتی ہے کہ دستور کے رہنما اصول کی دفعہ (۴۴) کے پیش نظر ملک کے تمام باشندوں کا ''سول کوڈ'' ایک ہونا چاہئے، دستور کے یہ رہنما اصول دراصل وہ خاکے ہیں جو ملک کے مستقبل کی تصویر پیش کرتے ہیں۔حکومت کو ایسی راہ اختیار کرنی چاہئے جس پر چل کر رہنما اصول کے مقاصد پورے ہوسکیں۔

(۲) ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے، سیکولرزم کا لازمی تقاضہ ہے کہ ملکی قوانین مذہبی پابندیوں سے آزاد ہوں، اس لئے یونیفارم سول کوڈ کے ذریعہ غیر مذہبی عائلی قوانین کا نفاذ ہونا چاہئے۔

(۳) مذہبی قوانین پرانے ہیں، زندگی کی دوڑ میں اب ان کی کوئی افادی اہمیت باقی نہیں رہ گئی ہے، ڈوہ عصری تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہیں، نہ ان میں سماجی پیچیدگیوں کے حل کرنے کی صلاحیت ہے، بدلتے ہوئے سماج کے لئے منجمد تعلیمات کا قدیم مجموعہ کبھی بھی مفید نہیں ہوسکتا، اس لئے ''مذہبی قوانین'' کی جگہ نئے قوانین کو نافذ کرنا ضروری ہے، تاکہ ایک طاقت ور سماج کی تشکیل ہو سکے۔

(۴) ہندوستان میں مختلف مذہب کے ماننے والے موجود ہیں، ان میں یکجہتی کے جذبہ کو فروغ دینے اور اتحاد کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے شخصی قوانین ایک ہوں۔مختلف قسم کے شخصی قوانین باہمی اختلافات کا ذریعہ بنتے ہیں اور قومی یک جہتی کو نقصان پہنچتا ہے۔

یونیفارم سول کوڈ کی مخالفت کے اسباب

مسلمان ''یونیفارم سول کوڈ'' کے مخالف ہیں: (۱) ہندؤں کا مذہبی طبقہ بھی اس سے اتفاق نہیں رکھتا۔ (۲) مسلمانوں کے اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ''یونیفارم سول کوڈ'' مذہبی تعلیمات سے متصادم ہے، اس کے نفاذ کے بعد عائلی اور شخصی زندگی میں قرآن وسنت کی ہدایات سے دستبردار ہونا پڑے گا، اور ایک ایسے قانون کو اپنی زندگی میں نافذ کرنا پڑے گا جس کے نتیجے میں مذہب کی مقرر کی ہوئی حدیں مٹ جائیں گی اور فرد کی شخصی زندگی سے حلال وحرام کا وجود ختم ہو جائے گا، مسلمان اس کے لئے تیار نہیں ہیں کہ وہ ان قوانین کے ذریعہ اپنی عائلی اور شخصی معاملات ومسائل کا حل نکالیں جن کا ہر قدم پر مذہب سے ٹکراؤ ہوتا رہے۔

جن لوگوں نے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا ہے اور اسلام کو بعض دوسرے مذاہب کی طرح عبادات اور رسم ورواج کا مجموعہ سمجھتے ہیں، انہیں یکساں شہری قوانین کے نفاذ کے خلاف مسلم رائے عامہ کی وجہ سمجھ میں نہیں آ سکتی اور جو لوگ مسلمانوں کی مذہب سے وابستگی کا علم نہیں رکھتے وہ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ مسلم رائے عامہ اس مسئلہ پر کتنی مضبوط ہو سکتی ہے لیکن مسلمانوں کی مذہب سے بھرپور وابستگی اور اسلامی تعلیمات کی وسعت انہیں

---

(۱) یونیفارم سول کوڈ کی حمایت میں دانشور قسم کے چند افراد پیش پیش نظر آتے ہیں مگر مسلم عوام پر ان کا کوئی اثر نہیں ہے۔ مسلم عوام ''یونیفارم سول کوڈ'' کی مخالفت میں پورے طور پر متفق الخیال ہیں۔

(۲) راشٹریہ سویم سنگھ کے سابق سربراہ گرو گوالکر اور رام راجیہ پریشد کے رہنما سوامی کرپاتری جی ''یونیفارم سول کوڈ'' سے اپنا اختلاف ظاہر کر چکے ہیں۔

اجازت نہیں دیتی کہ وہ شخصی زندگی کے مذہبی قوانین سے دست بردار ہوں، کیوں کہ یہ مذہبی قوانین بھی دین کا ایک اہم حصہ ہیں، اور ان کی بنیاد بھی اسی طرح قرآن وسنت میں موجود، ہے جس طرح نماز۔ روزہ اور دوسرے عبادات کی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر مذہب کے ماننے والوں کے کچھ تہذیبی امتیازات ہوتے ہیں جن کا تعلق بڑی حد تک ''پرسنل لا'' سے ہوا کرتا ہے، بعض مذاہب کے یہ امتیازات مذہبی تعلیمات کی بنیاد پر نہیں بلکہ رسم ورواج اور جغرافیائی حالات کے ماتحت ہیں، مسلمانوں کے بھی تہذیبی امتیازات ہیں۔ جن کی بنیاد مذہبی تعلیمات پر ہے، مسلمان آمادہ نہیں ہیں کہ وہ تہذیبی امتیاز سے دستبردار ہوں، اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ مسلمان بلا وجہ امتیازی نقطۂ نظر یا علیحدگی پسندی کا جذبہ رکھتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ تہذیبی امتیاز، مذہبی تعلیمات کی بنیاد پر ہے، یوں بھی تہذیبی رنگا رنگی اور عائلی زندگی کے طور طریقوں کی جداگانہ نوعیت کا نتیجہ علیحدگی پسندی نہیں ہوا کرتا، علیحدگی پسندی، قومی معاملات سے بے تعلقی، مشترکہ سماجی ربط کی کمی، رفاہی کاموں سے دوری کی شکل میں سامنے آتی ہے۔ مسجد میں نماز نہ پڑھنے والا ہندو، مندر میں پوجا نہ کرنے والا مسلمان، گرنتھ صاحب پر عمل نہ کرنے والا عیسائی اور بائبل کی مقدس تعلیمات کو اپنے لئے غیر ضروری سمجھنے والا سکھ کبھی علیحدگی پسند نہیں کہا جا سکتا!

یونیفارم سول کوڈ کے حامیوں کے دلائل کا تجزیہ

جن بنیادوں پر ''یونیفارم سول کوڈ'' کی حمایت کی جاتی ہے، کوڈ کے مخالفین

انہیں قابل قبول دلیل نہیں سمجھتے ،کوڈ کی حمایت میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں ۔ان کے تجزیہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ دلائل اپنے اندر نہ منطقی قوت رکھتے ہیں اور نہ ہندوستانی مزاج وسماج سے ان کی تائید ہوتی ہے ۔ مناسب ہے یہاں ان دلائل کا جائزہ لے لیا جائے ،تاکہ تصویر کا دوسرا رخ بھی سامنے آجائے ۔

۱- سب سے اہم آئینی بحث ہے، جس نے اس مسئلہ کے لئے بیج کا کام دیا ہے جیسا کہ ابتدائی حصہ میں بیان کیا گیا ۔ دستور ہند کے رہنما اصول (دفعہ۴۴) میں یکساں شہری قانون کا وعدہ کیا گیا ہے، لیکن دستور ہند میں بنیادی حقوق (دفعہ۲۵) کے تحت مذہبی آزادی کا وعدہ موجود ہے اور یہ یقین دہانی کی گئی ہے کہ ہر شخص کو مذہب قبول کرنے ، اس پر عمل کرنے اور اس کی اشاعت میں حصہ لینے کا پورا حق ہوگا ۔ دستور کے متن کا ترجمہ یہ ہے:

دفعہ۲۵(۱) امن عامہ، اخلاق، صحت اور اس قسم کے دوسرے احکام کے تابع رہ کر تمام لوگوں کو ضمیر کی آزادی ، مذہب کے اختیار کرنے ، اس پر عمل کرنے ، اور اس کی اشاعت کا مساوی حق ہوگا ۔

۲- یہ آرٹیکل کسی ایسے مروجہ قانون کو متاثر نہیں کرے گا اور نہ ریاست کے لئے کسی ایسے قانون سازی کے لئے مانع ہوگا ،جس کے ذریعہ:

(الف) کسی مذہبی رسم کے معاشی ، مالی ، سیاسی ، یا کسی سیکولر پہلو کو منضبط یا محدود کیا جائے ۔

(ب) سماجی بھلائی اور اصلاح یا ہندوؤں کے عوامی نوعیت کے مذہبی

اداروں کو ہندوؤں کے تمام طبقات کے لئے کھول دئے جانے کا اہتمام کیا جائے۔

مذہب کی آزادی کے ساتھ یکساں شہری قانون کی گاڑی نہیں چل سکتی اس لئے ماہرین قانون کا خیال ہے کہ ان دونوں دفعات میں ٹکراؤ ہے، ان حضرات نے دونوں حصہ قانون، بنیادی حقوق اور ''رہنما اصول'' پر کافی بحث کی ہے اور مختلف کورٹس کے فیصلے بھی ان دونوں قسموں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ماہرین قانون اور عدلیہ کا عام رجحان یہی ہے کہ ''بنیادی حقوق'' کی دفعات زیادہ اہم اور مکمل قانون کا ایک حصہ ہیں، ''رہنما اصول'' کی حیثیت کمزور ہے، اور اسے مستقل قانون نہیں کہا جا سکتا، مذہبی آزادی کا تعلق ''بنیادی حقوق'' سے ہے۔ اس لئے اسے قانوناً پوری اہمیت حاصل ہے، اس قانون کے رہتے ہوئے یکساں شہری قانون نافذ نہیں کیا جا سکتا۔

دستور کے یہ رہنما اصول ملک کے مستقبل کے لئے دستور سازوں کا خاکہ ہو سکتے ہیں، مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ان خاکوں میں رنگ بھرا جائے، دستور میں ''یونیفارم سول کوڈ'' کے علاوہ اور چیزوں کے متعلق بھی رہنمائی موجود ہے۔ مگر نہ اس رہنمائی کو قانونی شکل دی گئی، نہ کسی کو یہ شکوہ ہے کہ اب تک یہ خاکے بے رنگ پڑے ہوئے ہیں۔ اسی پر بس نہیں، بعض ایسے ''رہنما اصول'' بھی ہیں، جنہیں قانونی شکل دی گئی اور اس پر عمل کے لئے اقدامات کئے گئے، اور بعد میں ان قوانین میں اتنی گنجائش پیدا کر دی گئی اور ایسی راہیں نکال دی گئیں کہ وہ بے حیثیت ہو کر رہ گئے ہیں، ''شراب بندی'' اس کی ایک مثال ہے۔ گاندھی جی کی ہدایت میں سے ایک ''شراب بندی'' بھی ہے۔ جس کے بارے میں وہ آزادی سے پہلے بھی بارہا اپنے خیالات ظاہر کر چکے تھے، جنگ آزادی

کے لئے لڑنے والی، ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کانگریس نے بھی شراب کے استعمال کے خلاف آزادی سے پہلے ہی تجویزیں پاس کی تھیں ۔ دستور ہند میں ''شراب بندی'' کے لئے ''رہنما اصول'' میں واضح الفاظ موجود ہیں ۔ اس مقصد کے حصول کے لئے قوانین بھی بنائے گئے، لیکن حالات سے مجبور ہوکر شراب نوشی کو دوبارہ قانونی تحفظ مل گیا۔

ہندوستان میں قانون کو منطبق کرنے کی یہ شکل بھی بتاتی ہے کہ ''رہنما اصول'' پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے ۔ اور قانونی روایت (Tradition) کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ ''رہنما اصول'' ملک کے مستقبل کا یقینی خاکہ بھی نہیں ہے، ہاں! انہیں دستور سازوں کا خواب کہا جا سکتا ہے، جو کبھی پورا ہوتا ہے اور کبھی اس کی تعبیر تلاش میں زندگی موت کی سرحدوں کو چھو لیتی ہے ۔

۲- سیکولرزم کا یہ مطالبہ نہیں ہے کہ ہندوستان میں ''یونیفارم سول کوڈ'' نافذ کیا جائے نہ سیکولرزم کا یہ مفہوم ہے کہ ریاست کے چپہ چپہ سے مذہبی نقوش، سماج سے مذہبی روایات، اور افراد کے دلوں سے مذہبی تعلیمات کو کھرچ کھرچ کر مٹا دیا جائے ۔ سیکولر ریاست کا مطلب صرف یہ ہے کہ حکومت کا کوئی مذہب نہیں ہوگا وہ کسی مذہب کی طرف دار نہیں ہوگی اور کسی مذہب کے ماننے یا نہ ماننے کی وجہ سے کوئی امتیاز نہیں برتا جائے گا ۔ ہر فرد کو مذہب کے قبول کرنے کی آزادی ہوگی ۔ یہ مفہوم دستور ہند سے واضح ہوتا ہے اور اس مفہوم کے پیش نظر یہاں قوانین بنائے گئے ہیں اس کے بعد یہ سوال نہیں اٹھتا کہ سیکولرزم کا لازمی تقاضہ ''یونیفارم سول کوڈ'' ہے ۔

یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ سیکولرزم ایک مصالحتی راستہ ہے، جس کے تحت ریاست کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ عام ملکی معاملات کے لئے قوانین بنائے بین الاقوامی امور میں حصہ لے، ریاست کے باشندوں کی عمومی زندگی کے مسائل کا حل تلاش کرے اور فرد کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ شخصی اور عائلی زندگی میں ان قوانین کو قبول کرے جن پر وہ مذہب یا رسم ورواج کی بنیاد پر عمل کرتا رہا ہے — اگر سیکولرزم کا مفہوم اس کے علاوہ کچھ اور قرار دیا جائے اور سیکولرزم کو مسلم پرسنل لا کے خاتمہ کا ذریعہ بنایا جائے۔ تو اسے اکثریت کی ڈکٹیٹرشپ کہہ سکتے ہیں، سیکولرزم نہیں۔

۳- یہ حقیقت ہے کہ مذہبی قوانین پرانے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ منجمد ہیں۔ ان کی افادی حیثیت ختم ہو چکی ہے اور وہ سماجی گتھیوں کو سلجھانے کی صلاحیت کھو چکے ہیں۔ مذہبی قوانین (۱) کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ بنیادی اور اصولی ہے جن میں کسی قسم کی ترمیم کی گنجائش نہیں ہے۔ دوسرا حصہ وہ ہے جو حالات کے الٹ پھیر، عرف ورواج کے بدلنے اور وقت کے تقاضوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے بدل سکتے ہیں، اور بدلتے رہے ہیں (۲) قانون کے اس دوسرے حصہ کی موجودگی میں یہ کہنا غلط ہوگا کہ مذہبی قوانین منجمد ہیں۔ یا ان کی افادی حیثیت اور سماجی گتھیوں کو سلجھانے کی صلاحیت ختم ہو چکی ہے۔

---

(۱) یہاں صرف مذہب اسلام سے بحث ہے، کیونکہ ''یکساں سول کوڈ'' اسلامی قانون کے مقابلہ میں پیش کیا جارہا ہے۔

(۲) اس سلسلہ کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے، ''قانون شریعت کے مصادر اور نئے مسائل کا حل'' اور ''مذہب اخلاق اور قانون''۔

یہ نقطۂ نظر بھی اپنے اندر کوئی منطقی قوت نہیں رکھتا کہ کوئی قانون قدیم ہونے کی وجہ سے فرسودہ ہو جائے نہ ہر قدیم چیز بے کار ہو جاتی ہے۔ اور نہ ہر نئی چیز کارآمد۔ قوانین کے کارآمد یا بیکار ہونے کا معیار صرف یہ ہے کہ وہ معاشرہ کو اطمینان بخش بنیادوں پر زندہ رکھنے اور ترقی دینے کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں؟ عائلی قوانین جن سے یہاں بحث ہے، کو اسی اصول پر پرکھنا چاہیئے ''یونیفارم سول کوڈ'' کی بنیاد ظاہر ہے کہ مغربی قوانین ہی بنیں گے، مغرب میں جو عائلی اور شخصی قوانین نافذ ہیں، انہیں کی بنیاد پر ''ہندو کوڈ'' بنا ہے اور یونیفارم سول کوڈ کے خط و خال اس سے زیادہ مختلف نہیں ہونگے، اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں جن نئے قوانین کو نافذ کرنے کی جد وجہد کی جارہی ہے، اس کی تجربہ گاہ موجود ہے، ہمیں ان تجربہ گاہوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ وہ قوانین عائلی زندگی میں اطمینان وسکون کا کس حد تک ذریعہ بنے ہیں؟

یہ ایک طویل اور تقابلی مطالعہ کے لئے نتیجہ خیز موضوع بحث ہے جس کی ان مختصر صفحات میں گنجائش نہیں ہے۔ لیکن حقائق کی بناء پر اسے ماننا چاہیئے کہ مغربی ممالک کی عائلی زندگی کی تیلیاں ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہی ہیں، اور شخصی زندگی کا سکون واعتماد رخصت ہو چکا ہے۔ ان ممالک میں نکاح ایک کھیل ہے، اور طلاق تماشہ ہے (۱) شرم وحیا، عفت وعصمت جیسے الفاظ کا وجود لغت کے دائرے میں سمٹ چکا ہے۔ بن باپ کے بچوں، بن بیاہی ماؤں کی لاکھوں مثالیں، معاشرے میں پھیلتی جارہی ہیں، مادر زاد ننگا رہنا، اور

(۱) امریکہ میں ۱۹۷۶ء کی پہلی ششماہی میں ۹۸۷۰۰۰ شادیاں ہوئیں اور ۵۳۸۰۰۰ طلاقیں ہوئیں۔ امریکہ کے صرف ایک شہر لاس اینجلس میں ایک سال پچاس ہزار طلاقیں ہوئیں (بحوالہ World Almanac) روس میں اوسطاً ہر تین میں ایک شادی طلاق پر ختم ہوتی ہے (بحوالہ ڈائجسٹ Sputnic) بقیہ اگلے صفحہ پر

ایسے لوگوں کا ایک جگہ جمع ہونا (۱) بھی شاید ترقی یافتہ اور طاقت ور معاشرہ کا ایک حصہ سمجھا جانے لگا ہے۔ یہ سب تہذیب جدید کے کرشمے اور مغربی عائلی قوانین کے نفاذ کے عملی نتائج ہیں، اب اگر دانشوروں کے دل سے احساس زیاں رخصت نہیں ہوا ہے وہ مغرب کی ان خرابیوں کو خرابی سمجھنے کی ہمت اور صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور وہ اگر اس اصول پر ایمان نہیں رکھتے کہ ہر نئی چیز قابل قبول۔ اور ہر پرانی چیز قابل نفرت ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ مذہبی شخصی قوانین کو فرسودہ کہہ کر یونیفارم سول کوڈ کی وکالت کی جائے۔

۴- ملک کے لئے اتحاد اور قومی یکجہتی بڑی اہم ضرورت ہے اور ہندوستان میں آباد مختلف فرقوں کے درمیان دوستی خیر سگالی اور رواداری کے جذبہ کو فروغ دینا بہترین ملکی خدمت ہے، لیکن ''قومی یک جہتی'' کو سیاسی استحصال کے کے لئے استعمال کرنا بدترین قسم کی وطن دشمنی ہے، ہر وہ چیز جو ایک مخصوص قسم کے ذہن رکھنے والوں کو اپیل کرے، وہ سیکولرزم کا تقاضہ اور قومی یکجہتی کا ذریعہ بن جائے اور جو چیز اس ذہن کے خلاف ہو، اسے تعصب، تنگ نظری اور فرقہ پرستی کے خانہ میں رکھ دیا جائے۔ یہ غلط اور ملک کے مستقبل کے لئے مہلک ہے۔

قومی یکجہتی اور باہمی رواداری کا ''یکساں سول کوڈ'' سے کتنا اور کس طرح کا

بقیہ گزشتہ صفحہ کا سویڈن میں ہر پانچ شادیوں میں اوسطاً دو کامیاب اور تین ناکام ہوتی ہیں، ڈنمارک اور جرمنی میں طلاق کی شرح اس سے بھی زیادہ ہے۔

(۱) مسٹر نکسن (سابق صدر امریکہ) کے خلاف وہائٹ ہاؤس کے سامنے عظیم الشان مظاہرہ میں دس ہزار ننگے بھی شریک تھے، جس کی تفصیلی خبر تصویر سمیت امریکی رسالہ ٹائم نے شائع کی تھی۔

تعلق ہے؟ اس کا اندازہ اس طرح لگانا چاہئے کہ جن مسائل کا تعلق افراد کی شخصی زندگی سے ہے، ان کی بناء پر آج تک دو فرقوں کے درمیان کوئی اختلاف رونما نہیں ہوا، ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی یا دوسرے فرقوں کے درمیان نکاح و طلاق، ہبہ و وراثت وغیرہ جیسے مسائل کو لے کر کبھی اختلاف ہوا ہو، اس کی مثال نظر نہیں آتی، کیوں کہ یہ معاملات دو فرقوں کے درمیان نہیں ہوا کرتے ایک فرقہ کے دو یا چند افراد کے درمیان ہوتے ہیں اس کے برخلاف دو فرقوں کے درمیان شادی (جو یونیفارم سول کوڈ کی ایک دفعہ بن سکتی ہے) سے بڑے تلخ نتائج سامنے آئے ہیں، اور کئی بار شدید ترین فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا ہوئی ہے، اس لئے واقعات کی روشنی میں یہ کہنا صحیح ہے کہ مختلف فرقوں کے علیحدہ شخصی قوانین قومی یک جہتی اور ملکی اتحاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتے!

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کئی ایسے اہم مسائل موجود ہیں جن کی وجہ سے ملکی اتحاد اور سالمیت کو نقصان پہنچا ہے، اور مستقبل میں مزید نقصانات کا خطرہ ہے، لیکن دوسری مصلحتوں کی وجہ سے ان مسائل اور عوامی مزاج کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے، انہیں ملکی سالمیت کے نام پر ختم نہیں کیا گیا۔ انہیں مسائل میں سے زبان کا مسئلہ دہکتا ہوا انگارہ ہے، جس نے آسام میں ہلچل پیدا کر دی، بنگال کو ہنگاموں پر اکسایا، اور جنوب و شمال کے درمیان، عدوات و نفرت کی خلیج حائل کر دی، اس خلیج کا اندازہ ماضی کے ہنگاموں سے لگایا جا سکتا ہے اور ہو سکتا ہے مستقبل میں یہی چیز علیحدگی کا ذریعہ بنے۔ لیکن ان تمام واقعات کے باوجود ''زبان'' کے مسئلہ پر قومی یکجہتی اور ملکی سالمیت و اتحاد کی خوش کن آواز سننے میں نہیں آتی، اور اگر آتی ہے تو صرف

اس لئے کہ اس ذریعہ سے ہنگاموں کو روکا جا سکے۔

ایسی صورت میں ''یونیفارم سول کوڈ'' کے مخالفین اگر یہ کہتے ہیں کہ قومی یکجہتی اور ملکی اتحاد جیسے الفاظ سیاسی استحصال کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں تو اسے غلط نہیں کہا جا سکتا— قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لئے ایک بہترین نسخہ دو فرقوں کے درمیان شادی کو کہا جاتا ہے، مگر ایسا کہتے وقت نہ صرف حال میں ہوئی مختلف شادیوں کے برے نتائج کو فراموش کر دیا جاتا ہے، بلکہ یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اس شخصیت نے بھی اس نسخہ پر عمل کیا تھا، جسے ہندوستان میں عام طور پر فرقہ پرستی کی علامت ملک کے اتحاد کو ختم کرنے والا، اور ملک کی تقسیم کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے۔ مسٹر محمد علی جناح نے ایک پارسی گھرانے میں شادی کی تھی، ان کی شادی اسپیشل میرج ایکٹ کے تحت ہوئی تھی، یہ ایکٹ بھی متوازی قانون سازی کے ذریعہ مسلم پرسنل لا کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ بنا تھا، جس پر ایک مقبول مسلم رہنما نے عمل کیا۔ مگر اس عمل سے قومی یکجہتی کو کس درجہ فروغ ملا، اسے سب جانتے ہیں۔ دراصل زوجین کے درمیان اگر مذہبی، تہذیبی اور لسانی ہم آہنگی نہ ہو تو تجربات شاہد ہیں کہ زیادہ تر شادی ناکام رہتی ہے اور اکثر و بیشتر طلاق تک پہنچ جاتی ہے، ایسی شادی جو زوجین کے درمیان یک جہتی نہیں پیدا کر سکتی، قومی یک جہتی کس طرح پیدا کر سکتی ہے؟

یہ حقیقت ہے کہ شخصی زندگی کے یہ قوانین، قومی اتحاد اور یک جہتی پر برا اثر نہیں ڈالتے اور یونیفارم سول کوڈ، قومی یک جہتی کا ذریعہ نہیں بن سکتا، قومی انتشار کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ قانون سازی ایسی ہونی چاہیے کہ اس ملک میں آباد تمام مذہبی، تہذیبی اور

لسانی اکائی اپنی انفرادیت کومحفوظ سمجھے اوراس قانون کے دائرہ میں رہ کر وہ ملک کے استحکام اورترقی میں پرسکون، باعمل شہری کی حیثیت سے حصہ لے سکے۔ قانون سازی کا یہ طریقہ ملک میں یکجہتی کی فضا پیدا کرنے میں معاون ہوگا۔لیکن اگر مختلف تہذیبی ،لسانی یا مذہبی اکائیاں کسی قانون کے ذریعہ اپنی انفرادیت کوٹتا ہوامحسوس کریں گی تو ان میں رد عمل ہوگا۔ وہ اس قانون کے خلاف آواز بلند کریں گی۔ قانون سازوں پر ان کا اعتماد باقی نہیں رہے گا، اورقومی یک جہتی کونقصان پہنچے گا۔مسلمان یہ یقین رکھتے ہیں کہ یونیفارم سول کوڈ ان کی تہذیبی اور سماجی انفرادیت کے خاتمہ کا ذریعہ ہوگا، اسی لئے ''یونیفارم سول کوڈ'' قومی یک جہتی کا ذریعہ نہیں،قومی انتشار کا وسیلہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے!

مذکورہ بالا امور کے پیش نظر، مسلم رہنما، علماء اوراہل علم ''یونیفارم سول کوڈ'' کے مخالف ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ''مسلم پرسنل لا'' مسلمانوں کی شخصی زندگی کے مسائل کے حل کرنے کے لئے مفید راستہ ہے۔جس کے نفاذ کے لئے حکومت کومزید سہولتیں، اور قانونی آسانیاں دینی چاہئیں،مسلم پرسنل لاکومنسوخ کرکے ''یونیفارم سول کوڈ'' کا نفاذ کسی جذبہ کی تسکین کا ذریعہ تو بن سکتا ہے مگراس تبدیلی سے کوئی مفید کام نہیں انجام پائے گا۔

منت اللہ رحمانی
خانقاہ مونگیر (بہار)